غزواتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انسانیت کے لیے نمونہ

بلال عبدالحی حسنی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۶ء

نام کتاب	:	غزوات رسول ﷺ انسانیت کے لیے نمونہ
مصنف	:	بلال عبدالحی حسنی ندوی
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۷۶
قیمت	:	Rs. 36/-

باہتمام : محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب، ندوہ روڈ لکھنؤ ☆ مکتبہ اسلام، گوائن روڈ، لکھنؤ

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

پیش لفظ ۶

غزوات رسول (ﷺ)
انسانیت کے لیے ایک نمونہ

جنگوں کی تاریخ ۱۰
نبی رحمت (ﷺ) کی بعثت اور مشرکین مکہ کی عداوت ۱۲
ہجرت مدینہ ۱۴
اوس وخزرج اور یہود مدینہ ۱۴
انصار و مہاجرین میں مؤاخات ۱۶
یہودیوں سے معاہدہ ایک پرامن سماج کے قیام کی کوشش ۱۷
ابتدائی مہمیں ۱۸
غزوۂ بدر کا پس منظر ۲۱

غزوۂ بدر کے چند واقعات ۲۷
اسیران جنگ کے ساتھ سلوک ۳۰
غزوۂ احد کا پس منظر ۳۱
مدینہ پر حملہ کی اطلاع اور آنحضور (ﷺ) کی رائے ۳۲
جنگ کا آغاز ۳۳
مشرکوں کی سفاکی ۳۴
غزوۂ ذات الرقاع ۳۵
اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ ۳۶
یہودیوں کی بدعہدی ۳۷
بنوقینقاع ۴۰
بنونضیر ۴۱
غزوۂ خندق ۴۳
بنوقریظہ ۴۵
صلح حدیبیہ ۴۶
یہود خیبر ۵۲
رومیوں سے جنگ ۵۳
قریش کی بدعہدی اور فتح مکہ ۵۵

اپنے دشمنوں کے ساتھ سلوک ۵۹
آخری ناکام کوشش ۶۴
غزوات پر ایک نظر ۶۵
دنیا کا دستور ۶۸
آپ (ﷺ) کی ہدایات ۷۱
آخری بات ۷۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

عام طور پر سیرت طیبہ کے جو واقعات شروع میں قلمبند کئے گئے، ان میں مغازی کو خاص اہمیت دی گئی، آہستہ آہستہ سیر و مغازی کا ایک مستقل موضوع بن گیا، اور اس میں اتنا توسع اختیار کیا گیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں کو خواہ ان میں کوئی غزوہ پیش آیا ہو یا نہ آیا ہو مغازی کہا جانے لگا، اور یہ پہلو سیرت کی کتابوں میں اتنا غالب ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی و اخلاقی زندگی کا پہلو ان کتابوں میں وہ جگہ نہ پا سکا جو اس کا حق تھا، دوسری طرف مغازی و سیر کو دنیا کے عام دستور کے مطابق انہیں نظروں سے دیکھا جانے لگا جس طرح دنیا کی جنگوں کو دیکھا جاتا رہا ہے، اور خاص طور پر غیروں نے زیادہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ پرانی عداوت کی بنا پر ان کو خاص رنگ میں پیش کیا جن میں وہ مستشرقین پیش پیش تھے جنہوں نے اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تصنیفات کا موضوع

ہی اس لیے بنایا تھا کہ اس کی غلط تصویر عام لوگوں کے سامنے پیش کی جائے، تا کہ اس کو دیکھ کر بدگمانیاں پیدا ہوں، اور اسلام کی تصویر مسخ ہو، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین ذات نے زندگی کے ہر میدان میں انسانیت کے لیے جو نمونہ پیش فرمایا ہے وہ نہ کوئی پیش کر سکا ہے اور نہ پیش کر سکے گا، اور یہ آخری درجہ کی بات ہے کہ جنگ کے میدان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا رحمت تعلیمات جو رہتی دنیا تک کے لیے ایک ایسا نمونہ ہیں کہ اگر دنیا اس کو اختیار کرلے تو وہ جنت نشاں بن جائے۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیئس سالہ زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو مکہ مکرمہ کے تیرہ سال صرف اور صرف انتہائی مشقت اور برداشت میں گذرے، اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں، سیرت کی کتابوں میں وہ دلدوز واقعات دیکھے جا سکتے ہیں، ایسے صبر و تحمل کا مشاہدہ شاید اب دنیا نہ کر سکے گی، پھر مدینہ طیبہ کی دس سالہ زندگی میں کل نو دس غزوات ایسے ہیں جس میں لڑائی کی نوبت آئی، مغازی کے نام پر جو کچھ واقعات ہیں ان میں اکثر وہ ہیں جن میں کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی، اور پھر جن غزوات میں جنگیں ہوئیں ان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کس چیز کا غماز ہے، اس کو دیکھنے والا قرآن مجید کی گواہی کو ماننے پر مجبور ہوگا کہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۷)

(اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

موجودہ دور میں جو ایٹم بموں کا اور ہلاکت خیزی کا دور ہے، آج اس کی شدید ضرورت ہے کہ عالم انسانیت اس محسن انسانیت ﷺ کی تعلیمات سے سبق لے، جو ہر درد کی دوا، ہر زخم کا مرہم اور ہر ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے۔

پیش نظر رسالہ کا موضوع آنحضور ﷺ کی یہی ہدایات وتعلیمات اور آپ ﷺ کا یہی مبارک طرز عمل ہے، جس کی دنیا کو ہمیشہ ضرورت رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، کوشش کی گئی ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ ان واقعات کو اور آپ ﷺ کی ہدایات کو پیش کر دیا جائے۔

میں اپنے محترم عثمان بھائی کا شکر گذار ہوں جو اس کی تیاری کا محرک بنے، حیدرآباد میں خطبات کے لیے انہوں نے اس گنہگار کو حکم دیا تھا، یہ خطبہ بھی اسی کا حصہ تھا، وہاں خطبات کی نوبت تو نہیں آسکی، البتہ عثمان بھائی نے ان کو شائع کیا اور اہل ذوق میں بڑے شوق سے تقسیم کیا، اب یہ خطبات سید احمد شہید اکیڈمی سے شائع کئے جارہے ہیں، میں عزیز القدر مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں کہ انہوں نے ان خطبات کو اشاعت کے لیے

تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان تمام حصہ لینے والوں کو جزائے خیر دے اور اس رسالہ کو قبول عام نصیب فرمائے۔ آمین.

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دار عرفات

۲۰/صفر ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزواتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

انسانیت کے لیے ایک نمونہ

جنگوں کی تاریخ

جنگوں کی عالمی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو وہ انسانیت کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے، ماقبل کی تاریخ سے لے کر آج تک جو جنگی کاروائیاں ہوئی ہیں ان میں انسانی خون کی ارزانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، ایک فاتح جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو خون کی ندیاں بہاتا ہے، وہ بخت نصر کا حملہ ہو یا قسطنطین کا، بعثت سے پہلے عربوں کی خانہ جنگیاں ہوں یا اوس وخزرج کا وہ طویل جنگی سلسلہ جو چالیس سال تک جاری رہا، اور دنیا اس کو "حرب بعاث" کے نام سے جانتی ہے، اور پھر قریبی صدیوں کی مہذب قوموں کی بھی تاریخ دیکھ لی جائے، اسپین میں فرائیڈ

نے پانچ لاکھ مسلمانوں کو زندہ جلا دیا، فرانس کا انقلاب جس پر جمہوریت کی مہر لگی ہوئی ہے، اس میں چھبیس لاکھ انسانوں کا خون کیا گیا، روس میں اشتراکی انقلاب نے ایک کروڑ سے زائد انسانوں کی جان لی، پھر ۱۹۱۴ء کی ہولناک جنگ عظیم میں یورپی ممالک نے جرمنی سے اپنے علاقوں کی آزادی کے نام پر قتل وغارت گری کا جو بازار گرم کیا، اس کے نتیجہ میں ۷۳/ لاکھ ۳/ ہزار سے زائد لوگ اس کی بھینٹ چڑھے، پھر دوسری جنگ عظیم میں جو ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ء تک جاری رہی ایک کروڑ سے زیادہ لوگ مارے گئے، اور ایک ہی وقت میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں کو ایٹم بم گرا کر تباہ کر دیا۔

ہندوستانی مؤرخ امریش مشرا اپنی تازہ تحقیقی کتاب میں تاریخی شواہد ودستاویزات اور سرکاری اعداد وشمار کی بنیاد پر لکھتا ہے:

"انگریزوں نے ۱۹۵۷ء میں دس ملین (ایک کروڑ) ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، صرف اس لیے کہ انہوں نے برطانوی سامراج کے خلاف تحریک شروع کی تھی"

۱۹۵۵ء میں امریکہ نے کوریا پر قبضہ کرنے کے لیے جنگ کی، جس میں پندرہ لاکھ لوگ مارے گئے۔

یہ بہت موٹے موٹے فیگرس (Figures) ہیں، اگر اس کی

تفصیلات میں جانے کی کوشش کی جائے گی تو لگے گا کہ شاید انسان انسان کو مارنے ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، ابھی چند سالوں میں عراق، افغانستان میں جس طرح بے دریغ لاکھوں انسانوں کا خون بہایا گیا، یہ دنیا کی جنگوں کا وہ مہیب اور ڈراؤنا نقشہ ہے جس کے نقوش بہت ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں، ورنہ آج دبے نقوش کے ساتھ نقشہ میں جو کچھ ابھر رہا ہے وہ اس حد تک خطرناک ہے کہ لگتا ہے کہ شاید دنیا اپنی آخری سانسیں لے رہی ہے، انسانیت اب دم توڑ دے گی یا تب۔

اس انتہائی مختصر تمہید کے بعد غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس میدان میں بھی رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں اور آپ نے دنیائے انسانیت کے سامنے کیسا نمونہ پیش فرمایا ہے۔

نبی رحمت (ﷺ) کی بعثت اور مشرکین مکہ کی عداوت

اللہ نے آپ ﷺ کو دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، دنیا جو ہلاکت کے غار میں جارہی تھی، آپ ﷺ نے اس کو سنبھالا اور اپنی ذات سے انسان کامل ہی نہیں انسان اکمل کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس سے بہتر نمونہ دنیا کی نظروں نے نہیں دیکھا تھا، آپ ﷺ نے ایک اللہ کی طرف

بلایا، شرک کی ظلمتوں سے نکال کر توحید کا نور عطا فرمایا، ایک ایسا نظام زندگی دنیا کو عطا کیا جو انسانوں کے لیے زندگی کا پیام تھا اور اس سے انسانیت کو وہ آب حیات ملا جس سے اس کی مردہ رگوں میں خون دوڑنے لگا، لیکن اس وقت کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی قومیں جن کے اپنے ذاتی اور قومی مفادات اس سے جڑے ہوئے تھے، انہوں نے عداوت کا بیڑا اٹھایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے سمجھاتے رہے، آہستہ آہستہ لوگ اس سایہ رحمت میں آتے رہے، لیکن وہ مفاد پرست لوگ جو سچائی پر غور کرنا نہیں چاہتے تھے ان ماننے والوں کے دشمن بن گئے، انہوں نے اپنی دشمنی نکالنے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی، آپ کے ماننے والوں کا جینا دوبھر کر دیا، ان کو مارتے، ذلیل کرتے، تپتے صحراء میں لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے، حضرت سمیہ ایک بوڑھی خاتون تھیں، ابوجہل نے ان پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ شہید ہو گئیں، خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھاتے، آپ کو نہ جانے کیا کیا کہتے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو ہجرت کی اجازت دے دی، بہت سے لوگ حبشہ ہجرت کر گئے، یہ انتقامی مزاج رکھنے والے وہاں بھی پہنچے اور شاہ حبشہ نجاشی کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں کیں مگر وہ حقیقت شناس تھا اس لیے یہ سب کوششیں بے سود ہو گئیں۔

ہجرت مدینہ

اس پوری مدت میں نہ کسی مسلمان نے بدلہ لیا، نہ کسی نے ہاتھ اٹھایا کہ یہی حکم رب تھا:

﴿كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (النساء: ۷۷)

(ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو)

انتہائی قربانیوں کی تلقین کی جاتی رہی، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کی اجازت مل گئی، یہی ہجرت کی وہ رات تھی جس میں مشرکین مکہ نے آپ کو شہید کرنے کی سازش کی تھی، اور آپ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا تا کہ وہ امانتیں واپس کریں جو مشرکین ان ہزار دشمنیوں کے بعد بھی آپ ہی کے پاس رکھواتے تھے، ان کے نزدیک آپ سے بڑھ کر کوئی ''امین'' نہ تھا، اللہ کے حکم کے مطابق آپ یاسین شریف پڑھتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے نکل گئے۔

اوس وخزرج اور یہود مدینہ

دو بڑے قبیلے اوس وخزرج کے نام سے مدینہ میں آباد تھے، ان کے علاوہ یہودیوں کے تین بڑے قبیلے تھے، بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع،

یہودی قبائل مالدار بھی تھے اور بڑے چالاک بھی، تجارت پر ان کا پورا قبضہ تھا، ہتھیار بھی بنا کر بیچتے تھے، اوس و خزرج کے لوگ اکثر یہودی ساہوکاروں سے بڑے بڑے قرض لیتے اور اس پر وہ سود وصول کرتے، اس طرح وہ عرب ان یہودیوں کے زیر بار بھی رہتے تھے، اس کے علاوہ ان یہودیوں نے عرب قبیلوں سے ظاہر میں دوستداری بھی قائم کر لی تھی، بنو نضیر کے دوستانہ تعلقات خزرج سے اور بنو قریظہ کے قبیلہ اوس سے قائم تھے، اور اندر اندر وہ دونوں کو لڑواتے رہتے تھے تاکہ وہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں۔

یہودی اوس و خزرج کو یہ طعنہ بھی دیتے رہتے تھے کہ جلد ہی ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تم سب کی چھٹی کر دیں گے، تم ارم و عاد کی طرح مارے جاؤ گے، اس طرح ان کے ذہنوں میں بھی نبی کی بعثت کا تصور قائم ہو چکا تھا، اس کے بعد جب وہ حج کرنے مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کی بعثت کا چرچا سنا، انہوں نے تحقیق کی اور بولے کہ ہو نہ ہو یہ وہی نبی ہیں، جن کا تذکرہ ہم سے اب تک یہود کرتے رہے ہیں، بس ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے تاکہ یہود ہم سے بازی نہ لے جائیں، آہستہ آہستہ ان میں اسلام پھیلنے لگا، تو آپ ﷺ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو معلم بنا کر بھیجا اور مدینہ کے ہر گھر میں اسلام داخل ہو گیا۔

(۶۲۲م) میں ایک بڑا قافلہ حج کے موسم میں آیا اور انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مدینہ تشریف لے چلیں، ہم آپ کا ساتھ دیں گے، حضرت عباس اس وقت موجود تھے، انہوں نے کہا کہ تم سوچ سمجھ کر بات کہو، انہوں نے کہا: ہم سب کچھ سوچ کر آئے ہیں، ہم تلواروں کی گود میں پلے ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ہم کس چیز پر بیعت کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کی بعثت عرب وعجم سے جنگ کے مترادف ہے، عباس بن عبادہ نے کہا کہ اجازت ہو تو ہم کل ہی مکہ والوں کو اپنی تلواروں کے جوہر دکھادیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے جنگ کی اجازت نہیں۔

انصار ومہاجرین میں مؤاخات

اسلام لانے کے بعد اوس وخزرج کی باہمی عداوت تو ختم ہو ہی چکی تھی، آپ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے انصار ومہاجرین میں بھائی چارہ کرایا، اوس وخزرج نے جس طرح بڑھ چڑھ کر مہاجرین کی مدد کی، اس کی تاریخ میں مثال ملنی مشکل ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دنیا ان کو انصار کے نام سے جانتی ہے، دونوں قبائل ایسے شیر وشکر ہو گئے کہ آج ان کی قبائلی شناخت سے بھی کم ہی لوگ واقف ہیں۔

یہودیوں سے معاہدہ ایک پرامن سماج کے قیام کی کوشش

مدینہ طیبہ آنے کے بعد جب کہ ایک بڑی طاقت آپ ﷺ کو حاصل ہو چکی تھی، آپ چاہتے تو یہودیوں کو اسی وقت وہاں سے باہر کر دیا جاتا، یا کچل کر رکھ دیا جاتا، مگر آپ ﷺ نے پورا جائزہ لے کر ان کو بلوایا اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے ساتھ معاہدہ فرمایا، جو "میثاق مدینہ" کے نام سے مشہور ہے، اس معاہدہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے مدینہ کی پوری آبادی کو متحد کرنے کی کوشش کی، جس میں یہودیوں اور مشرکوں کو بھی شامل فرمایا تاکہ ایک بہتر سماج کی تشکیل ہو سکے، اور امن وسکون کی فضا بحال رہے۔

معاہدہ کی دفعات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) یہود اور مسلمان آپس میں دوستانہ تعلقات قائم رکھیں گے۔

(۲) اگر مدینہ پر حملہ ہوگا تو سب مل کر مقابلہ کریں گے۔

(۳) اگر کسی سے لڑائی ہوگی تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۴) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۵) اہل مدینہ سب کے سب امن وامان کے ساتھ رہیں گے، کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے گا۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام، ص:۵۰۱-۵۰۲

یہ معاہدہ کسی بھی مخلوط آبادی کے لیے ایک نشان راہ ہے، جہاں مسلمان بھی ہوں اور غیروں کی بھی آبادی ہو، اور وہاں مسلمان اکثریت میں ہوں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاہدہ جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے ایک لائحہ عمل ہے، اور یہ بات ظاہر ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں مکہ مکرمہ کا طرز عمل بھی ان کے لیے نمونہ ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ معاہدہ بھی ایسے حالات کے لیے روشنی فراہم کرتا ہے۔

ابتدائی مہمیں

یہ امن وسکون نہ مشرکین کو بھایا اور نہ یہود مدینہ کو، یہود نے مجبوراً معاہدہ تو کرلیا، لیکن ایک دن چین سے نہ بیٹھے، دوسری طرف مشرکین مکہ کی چیرہ دستیاں بھی جاری رہیں، مکہ میں تو انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، بلکہ اہل مدینہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ میں بیعت کی تو مشرکین مکہ نے مدینہ سے آنے والے ان مہمانوں کو بھی ستایا، حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے، ایک مرتبہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو ابوجہل نے ان کے ساتھ سخت بدکلامی کی، اور بولا کہ اگر تم ابوصفوان (امیہ بن خلف) کے مہمان نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ سلامت جانہ پاتے۔(۱)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبي صلی الله علیه وسلم من یقتل ببدر: ۳۹۵۰

آنحضور ﷺ کی ہجرت کے بعد مشرکین مکہ نے بجائے خاموش رہنے کے اور طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو کچلنے کی تدابیر اختیار کیں، اور اس کے لیے انہوں نے جنگی تیاریاں بھی شروع کردیں، عبداللہ بن ابی بن سلول اوس وخزرج کے اسلام لانے سے پہلے ان کے لیے بڑا محترم تھا، اور دونوں قبیلوں نے اس کو اپنا سردار تسلیم کرلیا تھا اور جلد ہی اس کی تاج پوشی ہونے والی تھی کہ اچانک دنیا بدل گئی، (۱) اور دونوں قبیلے مسلمان ہوگئے، ابن سلول نے بھی اسلام ظاہر کردیا گرچہ اندر اس کے آگ سلگ رہی تھی، مشرکین مکہ نے اس کو ہجرت رسول ﷺ کے بعد ہی خط لکھا کہ

"انکم آويتم صاحبنا وانا نقسم بالله لتقاتلنه أو تخرجنه أو لنسيرن اليكم بأجمعنا حتى نقتل مقاتلكم ونستبيح نساء كم"(۲)

(تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے، ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم ان سے جنگ کرو یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم اپنی جمعیت کے ساتھ آئیں گے اور تمہیں قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو تصرف میں لائیں گے)

---

(۱)صحيح البخاری، كتاب الاستئذان، باب التسليم فی مجلس فيه اخلاط من المسلمين والمشركين

(۲)سنن أبی داؤد، كتاب الخراج، باب خبر بنی النضير: ۳۰۰۶

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ کیا تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟(۱)

چونکہ اوس وخزرج کے اکثر لوگ مسلمان ہو چکے تھے، اس لیے یہ بات اس کے سمجھ میں آ گئی اور وہ قریش کی بات نہ مان سکا، جب کہ یہ اس کے دل کی چاہت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ پورے حالات تھے، مشرکین مکہ کی ریشہ دوانیاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتی رہتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں سے بھی خطرہ محسوس فرماتے، کبھی خود صحابہ کی جماعت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے تشریف لے جاتے اور کبھی صرف صحابہ کی جماعت بھیج دیتے تاکہ اہل مکہ بھی یہ محسوس کرلیں کہ اب حالات وہ نہیں ہیں جو مکہ مکرمہ میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس مہم میں خود بھی شرکت فرماتے اس کو "غزوہ" کہتے ہیں، اور جس مہم میں آپ خود شرکت نہ فرماتے، صرف صحابہ کو بھیج دیتے اس کو "سریہ" کہتے ہیں، عام طور پر غزوات وسرایا کے نام سے جن مہموں کا تذکرہ ملتا ہے وہ یہی اقدامات تھے، جن کا ایک مقصد یہ تھا کہ مشرکین اپنے جنگی عزائم ترک کردیں اور حالات پرسکون رہیں، اور دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ بدوی قبائل جو مدینہ منورہ کے اطراف میں آباد تھے، ان

---

(۱) أیضاً

سے سفارتی تعلقات قائم کیے جائیں، اور پورے علاقہ میں ایک مضبوط پرامن نظام قائم ہو، یہ تقریباً آٹھ یا دس مہمیں تھیں جن کے ذریعہ سے ان قبائل سے دوستدارانہ تعلقات قائم ہوئے، لیکن مشرکین مکہ کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں، دوسری طرف یہود اور منافقین جو ظاہر میں معاہدہ میں شریک تھے مار آستین ثابت ہو رہے تھے، لیکن آپ ﷺ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اہل مکہ بہر صورت جنگ مسلط کرنا ہی چاہتے ہیں۔

غزوۂ بدر کا پس منظر

غزوۂ بدر اسلام کا اولین معرکہ ہے، جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن تھا، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو جتنی فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں اور ان کی جتنی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوئیں، وہ سب اسی فتح مبین کی رہین منت ہیں، جو بدر کے میدان میں اس مٹھی بھر جماعت کو حاصل ہوئی تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو ''یوم الفرقان'' (فیصلہ کا دن) قرار دیا ہے۔''(۱)

﴿إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ

---

(۱) نبی رحمت ﷺ: ۲۱۳

الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ (الأنفال: ٤١)

(اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن اتاری تھی جس دن دو فوجیں آمنے سامنے ہوئی تھیں)

سطور بالا میں یہ بات گذر چکی ہے کہ مشرکین مکہ مستقل اس تیاری میں تھے کہ مدینہ منورہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں، اس طرح کی خبریں آتی رہتی تھیں کہ مسلمانوں کو بڑے تحفظ کے ساتھ رہنا پڑتا تھا، فتح الباری میں ہے کہ

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أول ما قدم المدينة سهر في الليل"(١)

(اللہ کے رسول ﷺ جب مدینہ میں تشریف لاتے تو راتوں کو جاگتے تھے)

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا، تب آپ ﷺ نے آرام فرمایا۔(٢)

(١)فتح الباري، كتاب الجهاد، باب نزع السهم من البدن:٢٧٢٩

(٢)صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الحراسة في الغزو .: ٢٨٨٥

ایک اور روایت میں مزید وضاحت موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبي بن كعب قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم والصحابة المدينة وآوتهم الأنصار رمتهم العرب عن قوس واحدة وكانوا لا يبيتون الا بالسلاح ولا يصبحون الا فيه"(۱)

(حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ اور صحابہ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہتھیار باندھ کر رات گذارتے اور اسی حال میں صبح کرتے)

ان حالات میں ایک بہتر تدبیر یہ تھی کہ قریش جب شام تجارت کے لیے جائیں تو ان کو روکا جائے تا کہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں، حضرت سعد بن معاذ کو جب ابوجہل نے سخت سست کہا تھا تو انہوں نے یہی دھمکی دی تھی، اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا راستہ بند کر دیں گے۔(۲)

آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان کی سر کردگی میں قریش کا

---

(۱) المستدرك للحاكم، كتاب التفسير، باب تفسير سورة النور: ۳۵۱۲

(۲) ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام: ۳۶۳۲

ایک بڑا قافلہ شام کو روانہ ہوا ہے، یہ قافلہ اس سروسامان کے ساتھ روانہ ہوا تھا کہ ابن سعد نے ابوسفیان سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"واللہ ما بمکۃ من قرشي ولا قرشیۃ لہ نش فصاعدا الاوقد بعث بہ معنا"(۱)

(مکہ میں قبیلہ قریش کے مردوں، عورتوں کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ سب ہمارے ساتھ روانہ کر دیا گیا تھا)

علامہ شبلی نے ابوسفیان کے اس قول پر تحریر فرمایا ہے:

"ہمارے مؤرخین کو اسباب ونتائج کی جستجو نہیں ہوئی، اس لیے انہوں نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا ہے، لیکن ان کو احساس نہیں کہ مکہ کو تمام سرمایہ اگل دینے کی کیا ضرورت تھی؟"(۲)

یہ حقیقت میں مصارف جنگ مہیا کرنے کا بندوبست تھا اور خطرہ کی گھنٹی جس کو سب نے محسوس کیا۔

آنحضور ﷺ نے اس قافلہ کو روکنے کے لیے صحابہ کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ نکلنے کا ارادہ فرمایا، جن کی تعداد تین سو تیرہ نقل کی جاتی

---

(۱) مغازی الواقدی، فی قدوم أبو سفیان بالعیر یوم بدر، ص: ٤١
(۲) سیرۃ النبی، جلد دوم (حاشیہ) ص: ۲۵۵

ہے، ادھر قریش کو جب آنحضور ﷺ کے اس ارادہ کی خبر ملی تو انہوں نے ایک لشکر جرار تیار کیا جو پورے غیض وغضب کے ساتھ مدینہ کو روانہ ہوا، آنحضور ﷺ کو جب لشکر کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کو پوری صورت حال سے آگاہ کیا اور مشورہ چاہا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین نے جانثارانہ تقریریں کیں، مگر آپ ﷺ کا روئے سخن حضرات انصار کی طرف تھا، جنہوں نے بیعت کے وقت یہ اقرار کیا تھا کہ جب دشمن مدینہ پر حملہ کریں گے تو وہ تلوار اٹھائیں گے، حضرات انصار اس کو بھانپ گئے حضرت سعد بن معاذ نے فرمایا:

> "یا رسول اللہ! (ﷺ) شاید آپ کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ انصار نے صرف اپنے وطن اور اپنی سرزمین میں آپ کی نصرت کا ذمہ لیا ہے، میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور ان کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں روانہ ہوں، جس سے چاہیں تعلق فرمائیں اور جس سے چاہیں ختم کریں، ہمارے مال و دولت میں سے جتنا چاہیں لیں اور ہم کو جتنا پسند ہو عطا فرمائیں، اس لیے کہ آپ جو کچھ لیں گے وہ ہمیں اس سے کہیں زیادہ محبوب ہوگا جو آپ چھوڑیں گے، آپ کوئی حکم دیں گے تو ہماری

رائے آپ کے تابع فرمان ہوگی، خدا کی قسم! اگر آپ چلنا شروع کریں یہاں تک کہ "برک غمدان" تک پہنچ جائیں تب بھی ہم آپ کے ساتھ چلتے رہیں گے، اور خدا کی قسم! اگر آپ اس سمندر میں داخل ہو جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔

مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم آپ سے ایسا نہ کہیں گے جیسا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾

(المائدة: ٢٤)

(جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے)

ہم تو آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے، آپ کے سامنے آکر لڑیں گے اور آپ کے پیچھے لڑیں گے، جب رسول اللہ ﷺ نے یہ گفتگو سنی تو روئے انور خوشی سے دمکنے لگا، اور آپ کو اپنے صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بڑی مسرت ہوئی، آپ نے فرمایا: "سیروا و أبشروا" (۱)

(۱) زاد المعاد: ۱/۳۴۲-۳۴۳، مسلم نے غزوۂ بدر کے باب میں باختصار یہ روایت نقل کی ہے۔

(چلو اور بشارت حاصل کرو)"(۱)

غزوۂ بدر کے چند واقعات

یہ سب سے پہلی جنگ تھی جو مسلمانوں کے سر تھوپی گئی۔

"قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے، انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کرلیا، بہ خلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا، زمین ایسی ریتیلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریتی میں دھنس دھنس جاتے تھے، حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے، وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ "وحی نہیں ہے"، حضرت حبابؓ نے کہا: تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بے کار کردیئے جائیں،(۲) آپ ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا، تائید ایزدی اور حسن اتفاق سے مینہ برس گیا، جس سے گرد جم گئی اور جا بجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنالیے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئیں، اس قدرتی احسان کا خدا

---

(۱) نبی رحمت، ص: ۲۱۴-۲۱۵ (۲) ابن ہشام: ۱/ ۳۷۸

نے قرآن مجید میں بھی ذکر کیا ہے:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ﴾

(الأنفال:۱۱)

(اور جب کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے)

پانی پر اگرچہ قبضہ کرلیا گیا، لیکن ساقی کوثر ﷺ کا فیض عام تھا، اس لیے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی، (۱) یہ رات کا وقت تھا، تمام صحابہ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا، لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبوی ﷺ) جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی، صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لیے آواز دی، بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔" (۲)

آنحضور ﷺ کے لیے میدان کے کنارے ایک چھپر تیار کردیا گیا تھا، آپ ﷺ نے جنگ کے لیے صفیں درست فرمائیں، پھر عریش میں تشریف لائے اور دیر تک دعا کی، اللہ کے سامنے تضرع وزاری فرماتے رہے، بے خودی میں چادر شانہ مبارک سے گر گر جاتی تھی، اس وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے:

---

(۱) ابن ہشام: ۲/۱۶ (۲) سیرۃ النبی: ۱/ ۲۲۷-۲۲۸

"اللهم ان تهلك هذه العصابة من أهل الاسلام لا تعبد في الأرض"(۱)

(اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر جماعت آج ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری بندگی کرنے والا کوئی نہ رہے گا)

آپ ﷺ کی اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو تسلی دی اور اللہ کی طرف سے فتح کا مژدہ ملا:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ (القمر: ٤٥)

(جلد ہی ان سب کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ دے دے کر بھاگیں گے)

یہ پڑھتے ہوئے آپ ﷺ میدان جنگ میں تشریف لائے۔(۲)

لڑائی کا آغاز بھی مشرکوں کی طرف سے ہوا، سب سے پہلے وہی للکار کر میدان میں آگے بڑھے، آپ ﷺ نے مقابلہ کا حکم دیا، اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں، سیر و تاریخ کی کتابیں اس کا موضوع ہیں۔

خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴/شخصوں نے شہادت پائی، لیکن دوسری طرف قریش کی اصل طاقت ٹوٹ گئی، ان

(۱)صحيح مسلم، كتاب الجهاد و السير، باب الامداد ....: ٤٦٨٧

(۲)صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب قول الله؛اذ ......:٣٩٥٣

کے سردار چن چن کر مارے گئے اور ستر (۷۰) کے قریب قید ہوئے۔

اسیران جنگ کے ساتھ سلوک

"اسیران جنگ دو دو چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے، اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں، صحابہ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے، جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا، جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا، لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ ہی کو واپس دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔(۱) قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا، جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا: یا رسول

(۱) طبری: ۳/ ۱۳۳۸

اللہ ﷺ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجیے کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑوں گا (مثلہ) تو گو نبی ہوں، لیکن خدا اس کی جزا میں میرے اعضاء بھی بگاڑے گا۔"(۱)

اسیران جنگ سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، اوران میں جو نادار تھے اور پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان کو کہا گیا کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔(۲)

غزوۂ احد کا پس منظر

غزوۂ بدر کے بعد جو باقاعدہ معرکہ پیش آیا وہ "احد" کا تھا، مشرکین کو خلاف توقع بدر میں جو کاری وار لگا تھا اور چن چن کر ان کے اہم لوگ اس میں کام آئے تھے، اس پر ماتم سے جب ان کو فرصت ملی تو ان کے لیے جو سب سے پہلا ضروری کام تھا وہ اس کا انتقام لینا تھا، ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اس کا بدلہ نہیں لے گا نہ غسل کرے گا، نہ سر میں تیل ڈالے گا، دوسو سواروں کے ساتھ وہ اس خیال سے مدینہ کی طرف بڑھا کہ یہود اس کی مدد کریں گے، بنونضیر کے سردار سلام بن مشکم نے ان کا زبردست استقبال کیا، اور معاہدہ کے خلاف پوری مدد کی، صبح عریض پر ابوسفیان نے

(۱) سیرۃ النبی: ۱/ ۲۳۵-۲۳۶ (۲) مسند احمد: ۱/ ۲۴۷

حملہ کیا، ایک انصاری صحابی اس میں شہید ہوئے، کچھ مکانات اور پھوس کو آگ لگادی گئی، اس سے ابوسفیان کے نزدیک ان کی قسم پوری ہوگئی، آنحضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ تعاقب کے لیے نکلے مگر وہ لشکر وہاں سے بھاگ نکلا اور گھبراہٹ میں جو ستو کے بورے ان کے پاس تھے وہ راستہ میں پھینکتا گیا، جو مسلمانوں کے کام آئے، عرب میں ستو کو ''سویق'' کہتے ہیں، اس لیے اس واقعہ کو ''غزوۂ سویق'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔(۱)

ابوسفیان واپس ہوا تو سرداران قریش اس کے پاس جمع ہوئے اور بدر کے انتقام کے لیے باقاعدہ مدینہ پر فوج کشی کا مشورہ ہوا، یہ سب کے دل کی آواز تھی، لیکن قریش کو اب مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے اس کے لیے بڑی تیاری شروع کی، حضرت عباس اسلام لا چکے تھے، مگر ابھی مکہ میں مقیم تھے، ان کو حالات کا اندازہ ہوا تو انہوں نے ایک تیز رو قاصد کے ذریعہ آپ ﷺ کو حالات سے آگاہ کیا، آنحضور ﷺ نے خبر لانے کے لیے قاصد بھیجے تو معلوم ہوا کہ لشکر قریب آ گیا ہے۔

مدینہ پر حملہ کی اطلاع اور آنحضور (ﷺ) کی رائے

آپ ﷺ کو جب مدینہ پر حملہ کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، کبار صحابہ نے یہی مشورہ دیا کہ شہر بند ہو کر مقابلہ کیا جائے، خود

(۱) ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام: ۳/ ۱۳۳۸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی یہی تھی، مگر ان نوجوان صحابہ نے جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور ان کو اس کا بڑا ملال تھا، یہ چاہا کہ آگے بڑھ کر مقابلہ کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خیال سے اندر جا کر تیاری کی اور باہر تشریف لائے، اس طرف ان صحابہ کو رنج ہوا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف بات کہی، انہوں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا جو فیصلہ ہو ہم اس پر راضی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نبی کو زیبا نہیں کہ وہ زرہ پہن کر اتار دے، جمعہ کی نماز پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ نکلے، مشرکوں کا لشکر احد پہنچ چکا تھا۔

جنگ کا آغاز

اس جنگ میں بھی لڑائی کا آغاز مشرکوں کی طرف سے ہوا، قریش کا علم بردار طلحہ نے آگے بڑھ کر آواز دی کہ مسلمانوں تم میں کوئی ہے جو جلد مجھے دوزخ میں پہنچادے یا خود میرے ہاتھوں جنت میں پہنچ جائے، حضرت علی مرتضی مسلمانوں کے لشکر سے نکلے اور ایک ہی تلوار میں اس کا کام تمام کر دیا، طلحہ کے بعد اس کا بھائی عثمان آگے نکلا اور وہ بھی حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا، اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی، شروع میں پلڑا مسلمانوں کا بھاری تھا، اور تھوڑی ہی دیر میں دشمن پیچھے کی طرف پلٹنے لگے، مسلمانوں کا رخ مال غنیمت کی طرف ہوا، یہاں تک کہ جبل رماۃ پر

حضرت عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں جو مسلمان پشت پناہی کے لیے متعین کیے گئے تھے وہ بھی فتح کو دیکھ کر نیچے اترنے لگے، حضرت عبداللہ نے بہت روکا مگر وہ رک نہ سکے کہ اب چنداں ضرورت نہیں، یہ دیکھ کر خالد بن ولید نے پیچھے سے حملہ کیا، عبداللہ بن جبیر اور چند صحابہ جو پہاڑی پر رہ گئے تھے، بے جگری سے لڑے مگر سب شہید ہو گئے، اب پھر گھمسان کا رن پڑا، اور مسلمانوں کی بڑی تعداد شہید ہوئی، آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے، اور یہ خبر اڑ گئی کہ آپ ﷺ کو شہید کر دیا گیا۔

دشمنوں نے پورا زور آپ ﷺ کی طرف لگا رکھا تھا، لیکن صحابہ نے اپنے آپ کو ڈھال بنا دیا تھا، بالآخر آپ ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے، دشمنوں کے تعاقب کی کوشش کی، لیکن صحابہ نے اتنے پتھر برسائے کہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔

جنگ کے اختتام پر معلوم ہوا کہ ستر (۷۰) صحابہ شہید ہوئے، جن میں آپ کے چچا حضرت حمزہ بھی تھے، جن کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے "سید الشہداء" کا خطاب ملا۔

مشرکوں کی سفاکی

خاتونان قریش نے مسلمانوں کی لاشوں کو بھی بے حرمت کیا، ان کے ناک کان کاٹے، ہند نے ان اعضاء کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا، حضرت

حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئی، ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبا گئی، لیکن حلق سے نہ اتر سکا اس لیے اگلنا پڑا۔

غزوۂ ذات الرقاع

چوتھے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے علاقہ کی طرف بغرض جہاد رخ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بنی محارب اور بنی ثعلبہ (قبیلۂ غطفان) کو سبق دینا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو کر مقام ''نخل'' (۱) میں اترے، ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ اشخاص کے درمیان ایک ہی اونٹ تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پیدل چلنے کی وجہ سے لوگوں کے پیر چھلنی ہو گئے، اور انگلیوں کے ناخن تک گر گئے، اور اس تکلیف سے بچنے کے لیے لوگوں نے اپنے پیروں پر پٹیاں اور چیتھڑے باندھ لیے، اور اسی لیے اس غزوہ کا نام ''غزوۂ ذات الرقاع'' یعنی ''پٹیوں والا غزوہ'' پڑ گیا۔ (۲)

(۱) نجد میں غطفان کے علاقہ میں ایک مقام کا نام

(۲) صحیح بخاری بروایت حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ ''باب غزوۃ ذات الرقاع'' امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خیبر کے بعد پیش آیا، یہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے۔

فریقین ایک دوسرے سے قریب ہوئے، لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی، لوگ ایک دوسرے سے خائف تھے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صلاۃ خوف بھی ادا فرمائی۔(۱)

اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟

جب رسول اللہ ﷺ اس غزوہ سے واپس ہوئے تو دوپہر کو آپ نے ایسی جگہ آرام فرمایا جہاں ببول کے بہت سے درخت تھے، اور لوگ ان درختوں کی طرف چلے گئے، اور خود بدولت (رسول اللہ ﷺ) ببول کے ایک پیڑ کے نیچے آرام فرمانے لگے، اور اپنی تلوار اسی درخت پر لٹکا دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسی درمیان میں ہماری آنکھ لگ گئی اور ہم تھوڑا سوئے تھے کہ محسوس ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں آواز دے رہے ہیں، ہم نے دیکھا کہ ایک اعرابی آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ اس نے یہ تلوار اٹھائی، میری آنکھ کھلی تو یہ تلوار میرے سر پر کھینچے ہوئے تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ میں نے

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۲۰۴

کہا: اللہ، تو یہ بیٹھا ہوا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔(۱)(۲)

یہودیوں کی بدعہدی

یہودیوں کی تاریخ بدعہدی اور قتل و غدر گری سے بھری ہوئی ہے، انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانا، ان کو شہید کر دینا ان کا ہمیشہ کا شیوہ رہا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے بزعم خود سولی پر چڑھا دیا تھا، جس کی حقیقت قرآن نے کھولی کہ

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـكِن شُبِّهَ لَهُم﴾

(النساء: ۱۵۷)

(انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی دی البتہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا)

پھر ان کے شاطرانہ مزاج ہی کا حصہ تھا کہ ایک یہودی پولس نے رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نفاق اختیار کیا، اوپر سے اس نے ظاہر کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ سے مل کر آیا ہے اور اس نے صحیح دین قبول کر لیا ہے، اس کو حضرت عیسیٰ نے تعلیمات دی ہیں، سادہ لوح لوگ اس کے فریب میں آ گئے اور اس نے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کو بدل کر ایک نیا دین بنا ڈالا،

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی (۲) نبی رحمت: ۳۳۰-۳۳۱

آج جو عیسائیت ہے وہ اسی پال کی دین ہے، جس کو عیسائیوں نے سینٹ کا درجہ دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ان کو جب خبر ملی تو ان پر سانپ لوٹ گیا، ہجرت نبوی کے بعد گرچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجبوراً معاہدہ کرلیا تھا، مگر وہ تاک میں رہے کہ کسی صورت سے مسلمانوں کو زک دی جائے، اور اپنی ریاست بحال کی جائے، اوس وخزرج کے قبائل جن کو وہ ہمیشہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ آخری نبی آنے والا ہے، اس کے ذریعہ سے مل کر ہم تمہاری چھٹی کردیں گے، معاملہ الٹا ہو چکا تھا، دونوں قبائل مسلمان ہو چکے تھے، اور انصار کا ان کو لقب مل چکا تھا، یہ چیزیں یہود کو ایک نظر نہیں بھاتی تھیں، اور وہ کوشش میں رہتے تھے کہ دوبارہ دونوں قبیلوں کو لڑا دیا جائے تاکہ مسلمان کمزور ہو جائیں اور ان کو سب پر سربراہی حاصل ہو جائے۔

ایک مرتبہ حضرات انصار بیٹھے باتیں کر رہے تھے، ایک یہودی بوڑھا شاس بن قیس نامی وہاں سے گذرا، اس کو یہ دیکھ کر سخت تکلیف ہوئی کہ یہ دونوں قبیلے جو کبھی دست وگریباں تھے، اور ہم ان پر حکومت کرتے تھے، آج باہم شیر وشکر ہیں، اس نے ایک نوجوان یہودی کو بھیجا کہ جاکر ان میں بیٹھ جاؤ اور جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑو، نتیجہ یہ ہوا کہ

دونوں قبیلوں کو پرانے واقعات یاد آگئے اور دوبارہ ہاتھ دکھانے کے وعدے وعید ہونے لگے، آپ ﷺ کو خبر ملی، آپ تشریف لائے، شکوے گلے دور ہوئے، اس پر یہ آیتیں اتریں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقاً مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ﴾

(آل عمران: ۱۰۰)

(اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی بھی گروہ کی بات مان لوگے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا کر چھوڑیں گے)

اس کے برخلاف خود آنحضور ﷺ کا معاملہ ان کے ساتھ نرمی اور موافقت کا تھا، اس لیے کہ وہ اہل کتاب تھے، صحیح بخاری میں ہے:

"وكان النبي صلى الله عليه وسلم يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه بشيء"(۱)

(اور آپ ﷺ جس چیز کے بارے میں کوئی حکم وارد نہ ہوا ہوتا، اس میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے)

لیکن یہودیوں کا حال یہ تھا کہ وہ آپ کے پاس آتے تو "السلام

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب مناقب الأنصار، باب اتیان......: ۳۹۴۴

علیکم" کی جگہ "السام علیکم" (تم پر موت ہو) کہہ کر اپنی بھڑاس نکالتے۔

آپ کی مجلس میں آتے تو "راعنا" کہنا ہوتا تو کھینچ کر "راعینا" کردیتے اور اس سے اپنا دل ٹھنڈا کرتے۔

مشرکین مکہ سے بھی اندر اندر ساز باز کرتے اور ان سے کہتے کہ تمہارا مذہب ان کے مذہب سے اچھا ہے، اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی قیادت میں منافقوں کی ایک جماعت بھی در پردہ ان کے ساتھ تھی۔

بنو قینقاع

مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، ان میں سب سے پہلے بنو قینقاع نے معاہدہ توڑا، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے موقع پر انہوں نے کھل کر شورش کی اور حسد ظاہر کیا، اتفاقاً انہیں دنوں میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک مسلمان برقعہ پوش خاتون یہودی کی دوکان سے کچھ خریدنے گئیں، یہودیوں نے ان کو بے حرمت کیا، ایک مسلمان نے دیکھا تو طیش میں آکر اس نے یہودیوں کو مار دیا، نتیجہ میں یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا، آپ ﷺ تشریف لے گئے، تو انہوں نے صاف صاف معاہدہ توڑنے کا اعلان کردیا، اور کہہ دیا کہ ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ جنگ کس چیز کا نام ہے،

مجبوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا، بالآخر وہ خود اس پر راضی ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہمیں منظور ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جلاوطن ہونے کا فیصلہ فرمادیا، اور وہ شام کے علاقوں میں جا کر آباد ہوگئے۔(۱)

بنونضیر

بنونضیر کی بدعہدی کی تفصیل سنن ابوداود کی ایک روایت سے ہوتی ہے، وہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے، کفار قریش نے ہجرت مدینہ کے بعد ہی رئیس المنافقین کو خط لکھا تھا، جس کا تذکرہ سطور بالا میں گذر چکا ہے، جب قریش نے دیکھا کہ اس پر کوئی اقدام نہیں کیا گیا تو انہوں نے دوسرا خط یہود مدینہ کو لکھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"انكم أهل الحلقة والحصون وانم لتقاتلن صاحبنا أو لنفعلن كذا و كذا ولا يحول بيننا و بين خدم نساء كم شئ وهى الخلاخيل"(۲)

(تم لوگوں کے پاس اسباب جنگ اور بڑے بڑے قلعے ہیں، تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے، اور کوئی چیز ہم کو تمہاری

---

(۱) ملاحظہ ہو: السيرة النبوية لابن هشام، سبب الحرب بينهم ۲:۲/۴۷

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الخراج، باب في خبر بني النضير: ۳۰۰۶

عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے نہ روک سکے گی)

اس کے بعد بنو نضیر نے عہد کو توڑ ڈالنے کا عزم کر لیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیس آدمیوں کے ساتھ آئیں، ہمارے تیس علماء آپ سے گفتگو کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مطمئن کر دیں اور وہ ایمان لے آئیں تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کے خط کا علم ہو چکا تھا، اس لیے آپ چند دستوں کے ساتھ تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ ہمیں تم پر بھروسہ نہیں ہے، تم پہلے مجھ سے اس پر معاہدہ کرو، انہوں نے معاہدہ سے صاف انکار کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بنو قریظہ کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے معاہدہ کر لیا۔(۱)

بنو نضیر کے یہاں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے ایک بڑی خباثت یہ کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا، اور ابن جحاش نامی ایک بد بخت ایک بڑا پتھر لے کر اوپر گیا اور آپ کو شہید کرنے کی نیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو گرانا چاہتا تھا کہ آپ کو بطریق وحی اس کا علم ہو گیا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔

بنو نضیر سے رئیس المنافقین نے کہلا بھیجا تھا کہ تم بات مت ماننا، بنو قریظہ بھی تمہارا ساتھ دیں گے، اور میں بھی دو ہزار کے لشکر کے ساتھ تمہاری

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الخراج، باب خبر بني النضير: ٣٠٠٦

مدد کو آتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کا محاصرہ فرمایا، نہ بنو قریظہ نے ان کا ساتھ دیا، اور نہ رئیس المنافقین مدد کو آیا، پندرہ دن محاصرہ رہا، بالآخر انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ ہم کو چھوڑ دیا جائے، جتنا سامان ہم لے جاسکیں لے جانے دیا جائے، آپ نے ان کی درخواست منظور فرمائی، انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو گرایا اور جتنا سامان لے جاسکے اونٹنیوں پر لاد کر جلاوطن ہو گئے۔

غزوۂ خندق

اب قریش اور یہود مسلمانوں کی عداوت پر پوری طرح کمر بستہ ہو گئے، خندق کے عام حملہ سے پہلے مختلف قبائل نے مقابلہ کی کوشش کی، مگر ناکام ہوئے، بالآخر بنو نضیر کے یہودی جب خیبر پہنچے تو انہوں نے بڑی سازش شروع کی، ان کے روساء مکہ مکرمہ گئے اور ان سے کہا کہ تم اگر ساتھ دو تو مسلمانوں کا خاتمہ آسان ہے، یہ ان کے دل کی آواز تھی، یہود و قریش نے مل کر اور قبائل کو بھی تیار کیا، یہاں تک کہ دس ہزار کا ایک لشکر گراں تیار ہوا، بنو نضیر اور خیبر کے یہودیوں نے بنو قریظہ کے یہودیوں کو بھی بد عہدی پر آمادہ کر لیا، جس سے فوج میں اور اضافہ ہو گیا۔

یہ فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر اس زور سے مدینہ پر حملہ آور

ہوئیں کہ مدینہ کی زمین ہل گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کی منظر کشی قرآن مجید میں فرمائی ہے:

﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا☆هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا﴾ (الأحزاب: ۱۰-۱۱)

(اور جب نگاہیں ڈگمگانے لگیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ سے طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اس وقت ایمان والوں کی آزمائش ہو کر رہ گئی اور ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا)

آنحضور ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا، اسی لیے اس کو ''غزوۂ خندق'' کہتے ہیں، ایک مہینہ دشمن فوج نے خندق کا محاصرہ کیا، جس میں گاہے گاہے سخت مقابلہ بھی ہوا، اور مسلمانوں نے یہ مدت جس انتہائی صبر ومجاہدہ کے ساتھ گذاری، اس کی تفصیلات کا موضوع سیرت کی کتابیں ہیں۔

اللہ نے مدد فرمائی، ایک دن ایسی آندھی چلی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، اور فوج میں بددلی پھیل گئی، اور مدینہ کا مطلع تقریباً ایک ماہ غبار آلود رہنے کے بعد صاف ہو گیا۔

اللہ نے اس احسان کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْراً وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ (الأحزاب: ٢٥)

(اور اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا پھیر دیا کچھ بھلائی ان کے ہاتھ نہ لگی اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کے لیے اللہ خود کافی ہو گیا)

بنو قریظہ

خندق میں بنوقریظہ نے کھل کر بدعہدی کی، اب اس کا تدارک ضروری تھا، مسلمان فوجوں نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا، بالآخر خود ان ہی کی اس درخواست پر محاصرہ ہٹالیا گیا کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں ہم اس پر راضی ہیں، حضرت سعد کا قبیلہ اوس اس قبیلہ کا حلیف تھا۔

حضرت سعد نے جو فیصلہ کیا وہ تورات کے حکم کے مطابق تھا، وہ فیصلہ یہ تھا کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔(۱)

”آپ ﷺ نے جب فیصلہ سنا تو فرمایا کہ یہ آسمانی فیصلہ

(١) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب جواز قتال.....: ٤٦٩٥

ہے، اور یہودیوں نے جب سنا تو ان کی زبان سے جو فقرے نکلے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس فیصلہ کو حکم الٰہی کے مطابق سمجھتے تھے۔"(۱)

صلح حدیبیہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے نکلے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خطاب کرکے فرمایا تھا:

"ما أطيبك من بلد وأحبك الي ولولا أن قومي أخرجوني منك ما سكنت غيرك"(۲)

(تو کتنا ہی اچھا شہر ہے اور مجھے کس قدر عزیز و محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا)

حضرات صحابہ کرام بھی جس بے سر و سامانی کے ساتھ مکہ چھوڑ کر آئے، ہر ایک دل میں ایک تڑپ تھی کہ کس طرح وہاں کی حاضری پھر نصیب ہو، خندق میں لشکروں کے جو بادل ہر طرف سے امنڈ امنڈ کر آئے

(۱) سیرۃ النبی: ۱/۳۰۹

(۲) سنن الترمذی، كتاب المناقب: ٤٣٠٥

تھے وہ سب چھوٹ چکے تھے، اسی اثناء میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خواب کا تذکرہ فرمایا، جس میں مکہ مکرمہ حاضری کا ذکر تھا، نبی کا خواب وحی کا درجہ رکھتا ہے، صحابہ سن کر فرط مسرت سے جھوم گئے۔ (۱)

۶ھ میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ سفر شروع ہوا، احتیاط کے لیے ایک آدمی روانہ کر دیا گیا کہ وہ قریش کی خبر لائے، جب قافلہ عسفان پہنچا تو اس نے آکر خبر دی کہ قریش نے اعلان کر دیا کہ محمد مکہ کبھی نہیں آسکتے، قریش نے بڑے زور سے تیاری کی، اور اطراف واکناف کہلا بھیجا کہ مسلمان مکہ آئے ہیں، ہمیں ان سے جنگ کرنی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر حدیبیہ میں قیام کیا، وہاں بدیل بن ورقاء جو قبیلہ بنو خزاعہ کے سردار تھے حاضر ہوئے، یہ قبیلہ مسلمانوں کا حلیف تھا، انہوں نے آکر کہا کہ مکہ کے لوگ آپ کو ہرگز جانے نہ دیں گے، اور انہوں نے جنگ کی تیاری کر لی ہے، تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ مقابلہ کے لیے لشکر مکہ سے روانہ ہو چکا اور خالد بن ولید جس طلیعہ کے سردار ہیں وہ غمیم تک پہنچ چکا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل بن ورقاء سے پیغام بھیجا کہ فی الحال جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا جائے، قریش جنگ کر کر کے تھک چکے ہیں، بدیل نے کفار مکہ کو جب پیغام پہنچایا تو شروع میں کچھ لوگ بولے کہ ہمیں کچھ

(۱) ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، سورۃ الفتح: ۲۷ ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا﴾

نہیں سننا ہے، مگر عروہ بن مسعود نے کہا کہ یہ ایک اچھی تجویز ہے مجھے موقع دو تو میں خود بات کرلوں۔

عروہ آپ ﷺ کے پاس آئے، صحابہ کا آپ کے ساتھ طرزِ عمل کو دیکھ کر متاثر ہو کر گئے، مگر بات مکمل نہیں ہوسکی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے خراش بن امیہ صحابی کو معاہدہ کی تکمیل کے لیے بھیجا، قریش نے ان کے اونٹ کو مار ڈالا جو خود آپ ﷺ کا تھا، وہ کسی طرح جان بچا کر واپس آئے تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان کو بھیجا، ان کے بارے میں خبر اڑی کہ وہ شہید کردیے گئے، اسی کے لیے آپ ﷺ نے بیعت رضوان لی، بعد میں معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔

ادھر قریش نے سہیل بن عمرو کو معاہدہ کے لیے بھیجا، لیکن صاف کہہ دیا کہ اس سال عمرہ کا موقع نہیں دیا جائے گا، وہ آئے اور دیر تک آپ ﷺ سے شرائط معاہدہ پر گفتگو ہوئی، بالآخر آپ ﷺ نے ان کی سب تجاویز مان لیں، اور وہ معاہدہ کرلیا گیا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

بعثت ونبوت کے بعد سے مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی اور مکہ مکرمہ کے یہ چھ سال کس طرح گذرے، کفار مکہ کی طرف سے کون سی مصیبت تھی جو مسلمانوں پر ڈالنے کی کوشش نہ کی گئی، اب جب کہ مسلمان اس

حال میں تھے کہ اپنی بات پر اصرار کرتے، جن تمناؤں کے ساتھ وہ مکہ کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے ان کو پورا کرتے، دلوں کے کیا جذبات رہے ہوں گے، اس تمہید کے بعد اب آپ صلح کی دفعات دیکھئے اور اندازہ کیجئے ان پر کیا بیتی ہوگی، ان کے لیے جان دینا آسان تھا مگر ان دفعات کا قبول کر لینا آسان نہ تھا، لیکن انہوں نے اس صبر آزما مرحلہ میں کس قربانی کا مظاہرہ کیا، صحابہ کی تاریخ میں وہ ایک یادگار ہے، اور یہی وہ قربانی تھی جو فتح کا پیش خیمہ بنی، صلح کی دفعات درج ذیل ہیں:

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا وغیرہ) میں۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں

جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہوجائیں۔(۱)

معاہدہ کی دفعات ابھی لکھی ہی جارہی تھیں کہ ابو جندلؓ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے کسمپرسی کے حال میں پہنچے اور رحم کی درخواست کی، سہیل نے کہا کہ شرائط صلح پورا کرنے کا یہ پہلا موقع ہے اس کو ہمیں واپس کیا جائے، اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی ساجت کی کہ ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے، ان کو مستثنیٰ کردیا جائے، سہیل نے صاف کہہ دیا کہ اگر ایسا ہے تو معاہدہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مجبوراً آپ ﷺ کو تسلیم کرنا پڑا، علامہ شبلی نعمانیؒ کے الفاظ میں:

"اس حالت کا گوارہ کرنا صحابہؓ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا، ایک طرف (ظاہر میں) اسلام کی توہین ہے، حضرت ابوجندلؓ بیڑیاں پہنے چودہ سو جاں نثاران اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں، سب کے دل جوش سے لبریز ہیں اور اگر رسول ﷺ کا ذرا ایما ہوجائے تو تلوار فیصلۂ قاطع کے لیے موجود ہے، دوسری طرف معاہدہ پر

(۱) سیرۃ النبی:۱/۳۲۴

دستخط ہو چکے ہیں، اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"یا أبا جندل اصبر واحتسب فان اللّٰه جاعل لك ولمن معك من المستضعفين فرجا ومخرجا انا قد عقدنا بيننا و بين القوم صلحا وانا لا نغدر بهم" (۱)

(ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے لیے اور مظلوموں کے لیے کوئی راہ نکالے گا، صلح اب ہو چکی......اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے) (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ قربانی کریں اور احرام اتار دیں، سب پر ایک سکتہ کی کیفیت طاری تھی، آپ اندر تشریف لے گئے اور کیفیت بتائی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لیے بال اتر والیں، آپ باہر تشریف لائے، آپ کا قربانی کرانا تھا کہ جانثار واطاعت شعار آپ کی اتباع میں قربانی کرنے لگے، اور احرام اتارنے لگے۔

تین دن حدیبیہ کے قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ مدینہ

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۳۱۶
(۲) سیرۃ النبی: ۱/۳۲۵

طیبہ روانہ ہوئے، تو یہ آیت اتری:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾ (الفتح: ۱)

(یقیناً ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی ہے)

جس چیز کو شکست سمجھا جا رہا تھا، اللہ نے اس کو فتح قرار دیا، اور آگے حالات نے اس حقیقت کو کھول دیا۔

تاریخ وسیرت سے اندازہ ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ جو صرف دو سال باقی رہ سکی، اتنی بڑی تعداد اسلام میں داخل ہوئی کہ اس سے پہلے نہ ہوئی تھی، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص اسی دور کی یادگار ہیں، اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ آپس میں ملنے جلنے کا موقع ملا اور اسلام کا نظام اخلاق و معاشرت جس سے وہ اب تک واقف نہ ہو سکے تھے کھل کر سامنے آیا۔

یہود خیبر

یہ بات گذر چکی ہے کہ بنو نضیر جب اپنی شرارتوں کی وجہ سے جلا وطن کئے گئے تھے تو ان کے بڑے بڑے سردار خیبر میں جا کر آباد ہوئے، وہاں ان کا ایسا اعزاز ہوا کہ ان کو وہاں کا بھی رئیس تسلیم کر لیا گیا، خیبر عرب میں یہودیوں کی طاقت کا سب سے بڑا مرکز تھا، جب بنو نضیر کے سربرآوردہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے وہاں بھی شرارتوں میں کمی نہیں

کی، قبیلہ غطفان سے بھی انہوں نے اسلام کے مقابلہ کے لیے سازش کی، دوسری طرف منافقین مدینہ درپردہ ان کی حمایت کررہے تھے۔

آنحضور ﷺ کو جب ان تفصیلات کا علم ہوا تو آپ ﷺ ان کی سرکوبی کے لیے نکلے، قبیلہ غطفان نے یہ خبر سن کر نکلنے کی ہمت ہی نہ کی اور خیبر کے قلعے ایک ایک کرکے فتح ہوتے گئے، جب فتح مکمل ہوگئی تو یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے، یہ درخواست منظور ہوئی، سنن ابوداود میں اس کا تذکرہ ہے، مزید یہ بھی ہے کہ پھلوں کے توڑنے کا وقت آتا تو آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے وہ پھلوں کو تڑوا کر دو حصہ کرتے اور یہود سے کہتے کہ تم جو چاہو اس میں سے لے لو، اس پر وہ کہتے یہ وہ انصاف ہے جس کی بنا پر زمین وآسمان قائم ہے۔(۱)

رومیوں سے جنگ

آنحضور ﷺ نے (۸ھ) میں بصری کے حاکم شرحبیل بن عمرو غسانی کو ایک دعوتی مکتوب روانہ فرمایا، حضرت حارث بن عمیر ازدی یہ خط لے کر گئے، شرحبیل نے حکم دیا کہ ان کو باندھ دیا جائے، پھر اپنے سامنے بلا کر شہید کردیا، سفارت کی اس زمانہ میں بھی بڑی اہمیت تھی،

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب المساقاة: ٣٤١٢

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اس ظالمانہ حرکت اور خون ناحق کا بدلہ لینے کے لیے ایک بڑی فوج روانہ کی، حضرت زید بن حارثہ کو اس کا سپہ سالار متعین فرمایا، جب یہ فوج قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ ہرقل بلقاء کے قریب ایک لاکھ فوج کے ساتھ خیمہ زن ہے، اسلامی فوج ایمانی جذبہ سے سرشار آگے بڑھی، تین ہزار کا ایک لاکھ سے مقابلہ ہی کیا تھا، حضرت زید شہید ہو گئے، اس کے بعد حضرت جعفر آگے بڑھے، لیکن وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہو گئے، پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم سنبھالا، لیکن وہ بھی شہادت سے سرفراز ہوئے، بالآخر حضرت خالد نے علم ہاتھ میں لیا اور فوج کو شکست سے بچا کر بسلامت مدینہ لے آئے، یہ ''غزوۂ موتہ'' کہلاتا ہے۔

پھر جب (۹ھ) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ رومی فوجیں عرب کی شمالی سرحدوں پر حملہ کی تیاری کر رہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقابلہ کے لیے تین ہزار کی فوجیں لے کر مدینہ طیبہ سے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں نکلے، سواریاں بھی کم تھیں، زادِ سفر بھی نہ تھا، پانی کی بڑی قلت تھی، ان ساری تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ تبوک میں خیمہ زن ہوئے، اس اقدام کا رومیوں پر ایسا اثر پڑا کہ

انہوں نے حملہ کا ارادہ ترک کردیا، صرف دومۃ الجندل کے حاکم کی طرف سے حملہ کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو پانچ سو سواروں کے ساتھ بھیجا، انہوں نے اس کو گرفتار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوادیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون معاف کردیا، اور اس کو آزاد کر کے جزیہ پر مصالحت کرلی، اس طرح ایک ماہ رہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وطن واپس ہوئے، اور رومیوں کی طرف سے جو خطرہ تھا وہ ٹل گیا، اور ایک طرح سے انہوں نے پسپائی اختیار کرلی، یہ "غزوۂ تبوک" کے نام سے مشہور ہے۔

قریش کی بدعہدی اور فتح مکہ

حدیبیہ میں قریش سے جو صلح ہوئی تھی اس میں بنوبکر قریش کے ساتھ اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے ساتھ ہوگئے تھے، وہ دونوں قبیلے بھی اس جنگ میں معاہدہ کے پابند تھے، ابھی دوسال کا عرصہ ہی گذرا تھا کہ بنوبکر نے اچانک بنوخزاعہ پر حملہ کیا، اور ان کو بے دریغ قتل کیا، ڈھکیلتے ہوئے حرم تک لے آئے، حرم پہنچ کر جب بعض لوگوں نے کہا کہ اب ہم حرم میں داخل ہوگئے، اپنے معبود کا خیال کرو، تو انہوں نے کہا کہ آج کے دن کوئی معبود نہیں۔

بنوخزاعہ لٹے پٹے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی

دردمندانہ فریاد کی اور قریش کی بدعہدیوں کا تذکرہ کیا کہ وہ بھی برسرِعام بنوبکر کے ساتھ شریک ہوئے، آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ ضرور تمہاری مدد ہوگی۔

آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کے لیے آدمی بھیجا، اور قریش کے سامنے تین باتیں رکھیں:

(۱) وہ خزاعہ کے مقتولین کا بدلہ دیں۔

(۲) جس نے اس معاہدہ کو توڑا ہے اس سے بے تعلقی ظاہر کریں۔

(۳) ورنہ انہوں نے جیسا کیا ہے، ان کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جائے گا۔

جب یہ بات قریش کے سامنے آئی تو ان میں بعض سرداروں نے کہا کہ ہم برابر کا جواب پسند کریں گے، اس طرح قریش کی ذمہ داری سے مسلمان بری الذمہ ہوگئے اور ان پر حجت قائم ہوگئی، ادھر جب سفیر واپس ہوا تو قریشیوں کو اندیشہ ہوا اور انہوں نے ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لیے بھیجا، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

آنحضور ﷺ دس ہزار فوج لے کر مدینہ طیبہ سے نکلے، مر الظہران پہنچ کر یہ فوجیں خیمہ زن ہوئیں، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آگ

کے الاؤ روشن کیے جائیں، اسی وقت ابوسفیان جاسوسی کی غرض سے نکلے تھے، انہوں نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ اس شان کا لشکر اور اس طرح کی روشنی تو میں نے کبھی نہیں دیکھی، حضرت عباس ان کی آواز پہچان گئے، اور چپکے سے اپنے خچر پر بٹھا کر حضور کی خدمت میں لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت دی، اور حضرت عباس کے کہنے پر انہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔

جب لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمادی کہ کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، سوائے اس کے جو مقابلہ کے لیے کھڑا ہو جائے، اہل مکہ کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمادی کہ اس پر دست درازی نہ کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کہ سر مبارک عبدیت و تواضع سے بالکل جھک گیا تھا، قریب تھا کہ آپ کی ٹھوڑی اونٹنی کے کجاوہ سے لگ جائے۔

> "جب سعد بن عبادہؓ جو انصار کے دستہ کے امیر تھے، ابو سفیان کے پاس سے گذرے، انہوں نے کہا:
>
> "اليوم يوم الملحمة، اليوم تستحل الكعبة، اليوم أذل الله قريشا"

(آج گھمسان کا رن ہے، اور خونریزی کا دن ہے، آج کعبہ میں سب جائز ہوگا، آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کیا ہے)

جب رسول ﷺ اپنے دستہ میں ابوسفیان کے پاس سے گذرے، تو انہوں نے آپ سے اس کی شکایت کی اور کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے سنا سعد نے ابھی کیا کہا؟ آپ نے فرمایا: کیا کہا؟ انہوں نے وہ سب دہرادیا، سعد کے جملہ کو آپ نے ناپسند فرمایا اور فرمایا:

"الیوم یوم المرحمة، الیوم یعز اللّٰہ قریشا، ویعظم اللّٰہ الکعبة"

(نہیں آج تو رحم ومعافی کا دن ہے، آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے اور کعبہ کی عظمت بڑھائے گا)(۱)

جب آپ ﷺ اطمینان سے اپنے مقام پر پہنچ گئے اور لوگ بھی مطمئن ہوگئے تو آپ ﷺ بیت اللہ تشریف لائے اور طواف سے فارغ ہوئے تو عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ کو بلوایا، اور کلید ان سے منگوا کر باب کعبہ کھلوایا اور اندر تشریف لے گئے، اور دوبارہ کلید انہیں کے حوالہ کردی

(۱) نبی رحمت:۲/۶۸

اور فرمایا کہ آج حسن سلوک اور پاس وفا کا دن ہے، یہ وہی عثمان بن طلحہ ہیں جنہوں نے ہجرت سے پہلے چابی طلب کرتے وقت آپ ﷺ کو سخت جواب دیا تھا، اور اہانت آمیز گفتگو کی تھی۔

اپنے دشمنوں کے ساتھ سلوک

"رسول اللہ ﷺ نے جب کعبہ سے نکلنے کے لیے اس کا دروازہ کھولا تو قریش پورے حرم میں صف بستہ کھڑے تھے، اور منتظر تھے کہ اب آپ ﷺ کیا کرنے والے ہیں، آپ ﷺ نے دروازے کے دونوں بازو تھام لیے، تمام لوگ آپ ﷺ کے نیچے تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا الـه الا اللّٰه وحده لا شريك لـه، صدق وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده، ألا كل مأثرة ومال ودم فهو تحت قدمي هاتين الا سدانة البيت وسقاية الحجاج، يا معشر قريش! ان اللّٰه قد أذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء، الناس من آدم وآدم من تراب"

(ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں

ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کیا ہے، اپنے بندہ کی مدد کی، اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی، یاد رکھو کہ تمام مفاخر، تمام انتقامات، خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں، صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں، اے قوم قریش! اب جہالت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے)

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (الحجرات: ۱۳)

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے)(۱)

''خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا تو

(۱) نبی رحمت: ۲/۷۱-۷۲

جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب کے پیش رو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا: ''تم کو کچھ معلوم ہے؟ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟''

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ:

"أخ كريم وابن أخ كريم"
(تو شریف بھائی ہے اور شریف برادرزادہ ہے)

ارشاد ہوا:

"لاتثريب عليكم اليوم اذهبوا فأنتم الطلقاء"

(تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد(۱)" جب فتح مکمل ہوگئی اور سب لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے امان عطا فرمائی، سوائے نو آدمیوں کے جن کے قتل کا حکم ہوا، خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے اندر ملیں، ان میں کوئی وہ تھا جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگیا، کسی نے فریب دے کر کسی مسلمان کو قتل کیا تھا، کسی نے آپ ﷺ کی ہجو کو تفریح طبع کا سامان بنالیا تھا، اور اس کو لوگوں میں پھیلاتا تھا، ان میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھا جو مرتد ہوگیا تھا، عکرمہ بن ابی جہل تھا جو اسلام کے غلبہ اور اس کے دور دورہ سے نفرت کی بنا پر اور جان کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر یمن چلا گیا تھا، اس کی بیوی نے اس کے فرار کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے لیے امان طلب کی، آپ ﷺ نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ روئے زمین

(۱) سیرۃ النبی: ۱/۳۶۹-۳۷۰

پر آپ کے بدترین دشمن کا لڑکا ہے، اس کو امان دی اور خوشی اور استقبال میں اس طرح اس کی طرف لپکے کہ چادر بھی جسم اطہر سے ہٹ گئی تھی۔

عکرمہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مسرت ہوئی، اسلام میں ان کو خاص مقام حاصل ہوا، ارتداد کی جنگوں اور شام کے معرکوں میں انہوں نے بڑی خدمات انجام دیں۔

ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا سیدنا حمزہ کے قاتل (جبیر ابن مطعم کے غلام) وحشی بھی تھے، جن کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح کر دیا تھا، لیکن وہ اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول فرمایا۔

ان میں ہبار بن الاسود بھی تھا، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عزت وآبرو پر حملہ کرنے کی گستاخی کی تھی، یہاں تک کہ وہ ایک چٹان پر گر پڑیں اور اسقاط حمل کا واقعہ پیش آیا، اس کے بعد وہ بھاگ گیا، بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا اور سارہ اور دو ایک گانے والیوں (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں کہے گئے اشعار کو گاتی تھیں) کے سلسلہ میں

بھی آپ ﷺ سے امان چاہی گئی، آپ نے ان دونوں
کو امان دی اور وہ دونوں مسلمان ہوگئیں۔(۱)(۲)

آخری ناکام کوشش

جب مکہ فتح ہوگیا تو اس وقت گردوپیش کی آبادیوں نے اسلام کے خلاف اپنا آخری تیر چلایا، قبیلہ ہوازن قریش کے بعد نمبر دو کی طاقت سمجھی جاتی تھی، قریش سے اس کی پرانی رقابت تھی، جب قریش نے ہتھیار رکھ دیئے تو ہوازن نے اپنی ذمہ داری سمجھی اور اس خیال سے مسلمانوں کی بیخ کنی کے ارادہ سے نکل کھڑے ہوئے کہ جو قریش نہ کرسکے وہ ہوازن نے کردکھایا۔

حنین کے میدان میں یہ معرکہ ہوا، درمیان میں اسلامی لشکر ڈگمگایا، اس لیے کہ اس میں فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے مسلمان بھی تھے، اور ایک تعداد مشرکوں کی بھی مال غنیمت کے شوق میں ساتھ ہولی تھی، لیکن بالآخر مسلمانوں کی فتح ہوئی اور بڑی تعداد میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔

حنین سے باقی ماندہ ثقیف کے کچھ لوگ طائف میں جمع ہوئے اور انہوں نے ایک سال کا غلہ وغیرہ جمع کرلیا اور قلعہ بند ہوکر جنگ کی تیاری

(۱) زادالمعاد:۱/۴۲۵ (۲) نبی رحمت:۲/۷۳-۷۴

کی، آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے محاصرہ کا حکم دیا، کئی روز تک یہ محاصرہ جاری رہا، بالآخر آپ ﷺ نے واپسی کا حکم فرمایا، اور مسلمانوں کو شکست دینے کا یہ آخری حربہ بھی ناکام رہا۔

صحابہ نے ثقیف کے لیے بددعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللهم اهد ثقيفا وائت بهم" (۱)

(اے اللہ! ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو ہمارے پاس لے آ)

ثقیف کے چھ ہزار لوگ غلام بنائے گئے تھے، جو جعرانہ میں محفوظ تھے، یہ وہ قبیلہ تھا جس میں آپ ﷺ نے دودھ پیا تھا، قبیلہ کے لوگوں نے جب اس کا حوالہ دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنو عبدالمطلب کے حصہ کے غلام میں آزاد کرتا ہوں، باقی یہ سب مسلمانوں کا حصہ ہے، جب صحابہ نے سنا تو فرمایا کہ ہم حاضر ہیں، ایک ہی وقت میں چھ ہزار غلام آزاد ہو گئے اور آپ ﷺ نے ان پر مزید انعام فرمایا کہ ان کو جوڑے بھی عنایت فرمائے۔

غزوات پر ایک نظر

یہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کی جنگوں کا ایک جائزہ تھا، مکہ مکرمہ

(۱) طبقات ابن سعد، جزء مغازی، صفحہ: ۱۱۴-۱۱۵

میں ظلم وستم کی بھٹیوں میں عرصہ تک پکائے جانے والے، طرح طرح سے ستائے جانے والے جنہوں نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، اور سب کچھ سہا اور برداشت کیا، پھر مدینہ طیبہ میں جن کو چین لینے نہ دیا گیا، طرح طرح کی سازشیں کی گئیں، مدینہ پر حملے کئے گئے اور اس کو تاراج کرنے کے لیے منظم کوششیں کی گئیں، ان سب چیرہ دستیوں کے بعد بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی انتقام نہیں لیا، ہمیشہ گفتگو سے مسائل حل کرنے کی کوششیں فرمائیں، ان ظالموں کو سمجھانے کی کوششیں کیں، خواہ وہ مشرکین مکہ ہوں یا یہود مدینہ یا وہ منافق جو در پردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں جس طرح ان ظالموں کی بات صرف اس لیے مان لی کہ خونریزی نہ ہو، جب کہ مسلمان اس وقت ایک طاقت بن چکے تھے، اور اہل مکہ کو ان کی طاقت کا اندازہ بھی ہو چکا تھا، اور مسلمان مقابلہ کے لیے تیار تھے، صرف چشم ابرو کے منتظر تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ میں ان کی ساری باتیں تسلیم کرلیں، اور اللہ نے دکھایا یہ صلح جو بظاہر ناکامی کی ایک صورت نظر آرہی تھی حقیقت میں کامیابی کی شاہ کلید قرار پائی اور فتح مبین کا پیش خیمہ بنی۔

اسی طرح یہود مدینہ کو، اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی اجازت دی، لیکن انہوں نے اس کا کوئی پاس نہیں رکھا، بالآخر

یکے بعد دیگرے اپنی بدعہدیوں، فریب اور جھوٹ کے نتیجہ میں ان کو جلا وطن پڑا۔

منافقین جنہوں نے اپنی دسیسہ کاریوں سے ہر جگہ مسلمانوں کو ڈسا تھا اور وہ مار آستین تھے، آپ ﷺ نے اس کے باوجود ہمیشہ ان کے ساتھ حسن سلوک ہی کیا، رئیس المنافقین کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ اس کی آخری مثال ہے۔

آپ کی دس سالہ زندگی میں اگر غزوات کا جائزہ لیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ جن غزوات میں باقاعدہ جنگ ہوئی، ان کی تعداد سات آٹھ سے زیادہ نہیں ہے، یہ ساری جنگیں وہ ہیں جو آپ ﷺ پر مسلط کی گئیں، ان کے علاوہ بہت سی ان مہموں کو بھی غزوات وسرایا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں نہ کسی کا خون بہا، نہ نکسیر پھوٹی، اور اس پوری مدت میں اپنے اور غیر کل ملا کر ایک ہزار کے قریب لوگ کام آئے، دنیا میں جنگوں کی تاریخ کا جائزہ شروع میں پیش کیا جا چکا ہے، ایک ایک جنگ میں ایک ایک کروڑ لوگ مارے گئے، اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ لوگوں کا کام آجانا معمولی بات تھی، اور دنیا میں جنگی قیدیوں کے ساتھ کیسا وحشیانہ برتاؤ کیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تاریخ کی ایک انوکھی مثال ہے، حنین میں چھ ہزار قیدیوں کو بغیر کسی فدیہ کے آزاد کر دیا

گیا، مزید برآں ان کے لباس کا انتظام کیا گیا، بدر کے قیدیوں سے بھی معمولی فدیہ لیا گیا اور جن کے پاس کچھ نہیں تھا، بچوں کی تعلیم کو ان کے لیے فدیہ قرار دیا گیا۔

دنیا کا دستور

دنیا میں جو جنگیں لڑی گئی ہیں ان میں انتہائی شقاوت اور درندگی کے وہ نمونے نظر آتے ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں، جنگ عظیم کے موقع پر برطانیہ و جرمن فوجوں کے طرز عمل سے متعلق خود برطانیہ ہی کے ایک جنرل نے جو کچھ لکھا ہے اس کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"ایک فوجی افسر سپاہیوں میں تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے:

اپنی انسانیت و شرافت کو بھلا دو، دلوں کو پتھر بنا لو، موت و زندگی کی طرف سے گونگے بہرے بن جاؤ، یہ جنگ ہے جنگ"۔

"میرا کام اس وقت یہ ہے کہ ایک ہزار نفوس سے زائد کی ذہنیت، تربیت، سیرت جلد سے جلد مدت میں بدل کر رکھ دوں، دست بدست لڑائی کے لیے خون کا ذوق مجھے پیدا کرنا ہے اور پروپیگنڈہ کے زہر سے دلوں کو ماؤف کر دینا ہے،

جرمنوں کی سفاکیاں ان کا زہریلی گیس استعمال کرنا، فرنچ عورتوں کی عصمت دری کرنا، نرس کیول کا سرکاری قتل، یہ ساری چیزیں اس درندگی کے نشو ونما میں ہو رہی ہیں، جو حصول کامیابی کے لیے لازمی ہے، بات بات پر اور بلا وجہ مشتعل ہو جانے کی عادت پیدا کرنی ہے کہ بغیر اس کے خاطر خواہ نتائج نکل نہیں سکتے، نرم دلوں اور نیک مزاجوں سب پر یہ زہر اتارنا ہے، اور اس کے لیے فوجی گانے اور فوجی باجے سب کام میں لائے جارہے ہیں، لطیف اور مذہبی راگوں کی ممانعت ہے، بجز گرجوں کے اور وہاں بھی جنگی سروں میں اجازت ہے، گرجے تو خوں آشامی کا ذوق پیدا کرنے میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور ہم نے ان سے پورا کام بھی لیا۔"

"برطانوی سپاہی سے پوری طرح کام لینے کے لیے کہ منافرت کا زہر اس کی رگ رگ میں پوری طرح اتار دیا جائے، ہلاک ہونے والوں کی تعداد اس کے سامنے دردو تعلق کے لہجہ میں نہیں، بے التفاتی و بیدردی کے ساتھ

بیان کی جاتی ہے، مجھے امید ہے کہ وہ زمانہ آجانے والا ہے اور عنقریب ہی جب سپاہیوں کے دل میں موت اور سخت سے سخت تڑپادینے والے زخموں اور گیس زدہ اعضائے جسم کی کوئی اہمیت ہی نہ رہ جائے گی، بلکہ آپس میں ہنس ہنس کر ان چیزوں کا ذکر کرتے رہیں گے، اور مسرور و مطمئن اس پر رہیں گے کہ جتنا اپنا نقصان ہوا ہے، اس سے کہیں زیادہ دوسروں کے جسم چیر پھاڑ چکے ہیں، دوسروں کے ہاتھ پیر توڑ چکے ہیں، ستمبر ۱۵ء تک یہ حالت ہوگئی تھی کہ جو کچھ بھی ہم کررہے ہیں سب بجا اور درست ہے اور جرمنی جو کچھ کررہا ہے سب نفرت انگیز ہے، جنگ میں اس کے سوا مفر نہیں اور دونوں فریق اسی پر عامل ہیں"۔(۱)

ان اقتباسات کو ملاحظہ کیجئے اور غور کیجئے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب کہ سامنے وہ دشمن تھے جنہوں نے بائیس سالہ مدت میں درندگی و شقاوت کے سارے حدود پار کرلیے تھے، احد کے موقع پر آپ ﷺ کے محبوب چچا کے ناک کان کاٹے تھے، نہ جانے کتنے بے گناہوں کو مارا تھا، حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کرنے سے بھی روکا تھا، ایسے دشمنوں کے

(۱) رہبر انسانیت از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی: ۳۳۳-۳۳۵

سامنے ایک صحابی کی زبان سے نکل گیا کہ

"الیوم یوم الملحمة"

(آج خونریزی کا دن ہے)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی پسند نہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

"الیوم یوم المرحمة"

(آج تو رحم کرنے کا دن ہے)

آپ (ﷺ) کی ہدایات

جنگوں کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے مشورہ فرماتے اور ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیتے، کمزوروں کا خاص خیال فرماتے، ایسے موقعوں پر شور و غوغا عام بات ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ذکر میں مشغول رہتے اور صحابہ کو بھی اسی کی تلقین فرماتے۔

عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے سے منع فرماتے، جب بھی کوئی سریہ بھیجتے تو تقویٰ کی وصیت فرماتے اور ارشاد ہوتا:

"اللہ کے نام پر جاؤ اور اللہ کے منکروں سے قتال کرو، مگر دیکھو مثلہ مت کرنا، نہ بدعہدی کرنا اور نہ کسی بچہ کو مارنا" (۱)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب تأمیر الامام الأمراء علی البعوث و وصیته ایاهم: ٤٦١٩

آپ ﷺ کی اسی ہدایت کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہؓ نے ایک مرتبہ کسی قوم سے معاہدہ کیا اور جس دن معاہدہ کی تاریخ پوری ہونے والی تھی اس سے ایک آدھ روز پہلے سرحد پر لشکر کو لے کر پہنچ گئے اور جیسے ہی معاہدہ کی مدت ختم ہوئی، اچانک حملہ کر دیا، دشمن غافل تھا، آسانی سے پورا ملک فتح ہونے لگا، حضرت عمرو بن عبسہ ایک صحابی ہیں وہ تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ یہ دھوکہ دہی ہے، اسلام کے اصول کے منافی ہے، حضرت معاویہ نے حکم دے دیا کہ پوری فوج واپس ہو جائے، اور مال غنیمت بھی واپس کر دیا جائے، اس پر عمل ہوا، اس بلند اخلاق کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم اسلام میں داخل ہوئی۔(۱)

آنحضور ﷺ ہر ایک کی قدر افزائی فرماتے، اور اس کے چھوٹے سے کام پر بھی اس کو مال غنیمت میں شریک فرماتے، لوٹ مار اور مثلہ سے ہمیشہ منع فرماتے، ارشاد ہوتا:

"من انتهب نهبة فليس منا"(۲)

جو لوٹ مار کرے وہ ہم میں شامل نہیں)

مال غنیمت میں خیانت کو آپ ﷺ نے بدترین گناہ قرار دیا تھا،

---

(۱) ملاحظہ ہو: سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی الغدر: ۱۶۷۶

(۲) مسند احمد: ۱۴۰/۳

خالص عبادت میں مشغول رہنے والوں اور جنگ سے الگ تھلگ ہونے والوں پر بھی ہاتھ اٹھانے سے آپ منع فرماتے، جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی عام طور پر بڑی فیاضی فرماتے، بدر کے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ جنگوں کی تاریخ میں یادگار ہے، قیدیوں میں اگر ماں اور اس کی اولاد ہوتی تو ان کو الگ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند تھا، ارشاد فرماتے:

"من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه و بين أحبته يوم القيامة"(۱)

(جو شخص کسی کے بچہ اور ماں کو جدا کرے اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے چاہنے والوں کو قیامت کے دن الگ کر دے گا)

فتح مکہ کے موقع پر جب مہاجرین نے اپنی جائیداد اور گھروں کا سوال کیا، جن پر مشرکین مکہ نے قبضہ کر رکھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو اللہ کے لیے چھوڑ چکے، اللہ نے اس کا بہترین بدلہ جنت میں رکھا ہے، تو تم نے جس کو اللہ کے لیے چھوڑا اس کو لینا تمہارے لیے مناسب نہیں۔ (۲)

آخری بات

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اپنی دعوتی اور دینی مہم میں

---

(۱) مسند أحمد: ۴۱۳/۵ (۲) صحیح البخاری: ۲۰۷/۷

جو ۲۳/ سال رہی، آخری ۸/ سال کی مدت میں جو مقابلے کیے اس میں صرف ایک ہزار آدمی کام آئے اور اسلام پر الزام لگانے والے جمہوریت اور آزادی کے دعوے کرنے کے باوجود اپنی جنگوں میں لاکھوں سے زیادہ انسانوں کو مار دیتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں قوموں اور ملکوں میں سخت انتشار و بے چینی کی فضا بنا دیتے ہیں اور مسلمانوں نے اپنے رسول اللہ ﷺ کی سرکردگی میں صرف ۸/ سال کے مقابلوں میں پورے جزیرۃ العرب کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔

اس سب کے بعد مغربی میڈیا اسلامی دنیا کے کسی حصہ میں دو چار آدمیوں کے غیر معلوم ہاتھوں سے مارے جانے پر ایسا واویلا مچاتا ہے کہ یورپ میں لاکھوں انسانوں کے مارے جانے سے زیادہ ظلم برپا ہوا، اور کوئی بھی دہشت گردی کا واقعہ دنیا میں کہیں ہوتا ہے تو تحقیق سے قبل ہی فوراً کہا جاتا ہے کہ مسلمان نے کیا ہوگا، اور مسلمان کون ہے؟ مسلمان وہ ہے جو اپنے نبی ﷺ کا ماننے والا اور ان کے حکموں پر اپنی جان قربان کرنے والا، اور نبی کی شخصیت وہ

شخصیت ہے جس نے خود رحم و ہمدردی اپنے دشمنوں تک سے انتہائی غیر معمولی طریقہ سے روا رکھی اور اپنے ماننے والوں کو اس کو اختیار کرنے کی تلقین کی اور مسلمانوں نے ساری کمزوریوں کے باوجود بہت کچھ اسی پر عمل کیا، مسلمانوں کی بعد کی جنگوں کا مطالعہ کیجئے یہی بات نظر آئے گی جس کا اعتراف غیر مسلم مؤرخوں نے بھی کیا ہے اور مسلمانوں پر الزام لگانے والے اس مغربی میڈیا نے اس بات کو دبایا اور چھپایا کہ ان کے مغربی ممالک میں اب بھی محض سیاسی اغراض کے لیے لاکھوں کا خون بآسانی کرا دیا جاتا ہے، سچ کہا عربی شاعر نے:

وقتل امرئ فی غابة جریمة لا تغتفر

وقتل شعب آمن قضیة فیها نظر

ترجمہ:- اگر ان کا ایک آدمی بھی کسی نامعلوم جگہ جنگل میں مار دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا جرم ہوا، جو کسی طرح لائق معافی نہیں اور دوسروں کی پوری پوری قوم کو اس کے پر امن ہونے کے باوجود ختم کر دیں تو اس پر اعتراض

کرنے پر صرف اتنا کہیں گے کہ ہاں یہ مسئلہ غور کرنے کے قابل ہوسکتا ہے۔"(۱)

(۱) رہبر انسانیت از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی: ۳۳۶-۳۳۷